(بقیہ اشارات)

ابھی یہ سطور لکھی جا رہی تھیں کہ بھارت کے چوتھے انتخابات کی خبریں اخبارات میں شائع ہونے لگیں۔ کانگرس پارٹی نے اگرچہ بحیثیت مجموعی سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیے ہیں لیکن کامیاب ارکان کا تناسب صاف طور پر ظاہر کر رہا ہے کہ اب اس پارٹی کے مقابلے میں کچھ دوسری جماعتیں قوت و طاقت حاصل کر رہی ہیں اور ان بدلے ہوئے حالات میں ان سے یکسر بے نیاز ہو کر یہ امورِ مملکت نہیں چلا سکتی۔ اسے لازمی طور پر انہیں اعتماد میں لے کر ہی آگے بڑھنا ہے۔

جو جماعتیں آہستہ آہستہ زور پکڑ رہی ہیں اُن میں انتہا پسند دائیں بازو کی جن سنگھ اور سوتنترا پارٹیاں اور بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے کیمونسٹ اور جنوب میں مرکز گریز دراوڑ کاژگام نے نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ ان جماعتوں کا بڑھتا ہوا اثر ہندوستان کی داخلہ اور خارجہ پالیسی دونوں پر اثر انداز ہو گا۔ جن سنگھیوں کے اثر و رسوخ کی وجہ سے مسلم اقلیت پر مزید عرصۂ حیات تنگ ہو گا اور اس کے جارحانہ عزائم پوری طرح بے نقاب ہو کر سامنے آئیں گے اور سیکولرزم کا وہ نعرہ جس کے ذریعے بھارت نے پوری دنیا کو فریب میں مبتلا کر رکھا تھا اس کی حقیقت پوری طرح عیاں ہو جائے گی۔ کیمونسٹ اقتدار سے بھارت اور رُوس ایک دوسرے کے اور قریب ہو جائیں گے اور اسے اب تک اُس سے جو مراعات حاصل ہوتی رہی ہیں اُن میں معتد بہ اضافہ ہو جائے گا۔

بھارت پر ان تغیرات کے کیا اثرات مترتب ہونگے۔ ہم اُن سے اغماض نہیں برت سکتے۔ اُن کے متعلق غور و فکر کرنا خود اس ملک کے اربابِ حل و عقد کا کام ہے۔ لیکن ان انتخابات سے پوری دنیا یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی ہے کہ بھارت میں سیاسی بیداری بڑھ رہی ہے اور جمہوری روایات دن بدن ترقی کر رہی ہیں۔ ان انتخابات پر مغرب کے مشہور و معروف اخبارات نے جو تبصرے کیے ہیں انہیں پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ دنیا کے سیاسی مفکرین یہ بات مان گئے ہیں کہ یہاں جمہوریت اگرچہ اپنے

ابتدائی مراحل میں ہے لیکن یہ ملک اُن واضح خطوط پر ہی آگے بڑھ رہا ہے جو حاکمیتِ عوام کے نظریے نے متعین کیے ہیں۔

متعدد مرکزی اور صوبائی وزراء کی شکست، کانگرس کے بڑے بڑے عہدیداروں حتیٰ کہ صدر اور سکرٹری کی ناکامی نے دنیا میں بھارت کے متعلق یہ تاثر قائم کر دیا ہے کہ اس ملک کی سر وسز کافی حد تک سیاسی معاملات میں غیر جانبدار ہیں اور یہاں حکومت کی تشکیل بیوروکریسی کی ریشہ دوانیوں کی رہینِ منت نہیں بلکہ رائے عامہ کی دست نگر ہے۔

ہزاروں لغزشیں حائل ہیں لب تک جام آنے میں،

جمہوریت کے سارے تقاضے پُورے کرنے کے لیے بھارت کو ابھی بہت سے مراحل درپیش ہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ جس سمت پر یہ ملک جا رہا ہے وہ جمہوریت کے نقطۂ نظر سے کافی حد تک صحیح سمت ہے۔

علمِ سیاسیات میں گہری بصیرت رکھنے والوں کا اندازہ ہے کہ دَورِ جدید میں سیاسی شعُور پیدا کرنے کے لیے آزادانہ انتخابات سے زیادہ بہتر اور مؤثر کوئی دوسرا ذریعہ نہیں اور اگر کوئی قوم دس مرتبہ یہ انتخابات عین وقت پر خارجی دباؤ کے بغیر منعقد کروائے تو پھر عوام کے قلب و دماغ پر جمہوریت کے نقوش اچھی طرح مرتسم ہو جاتے ہیں اور جمہوری روایات اُس معاشرے میں جڑ پکڑ لیتی ہیں۔

کانگرس کے محدود اور مفاد پرستانہ نقطۂ نظر سے خواہ یہ انتخابات کتنے ہی مایوس کُن ہوں مگر بھارت کے سیاسی مستقبل کے لیے نیک فال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کا پہلا اثر یہ ہوگا کہ اب حکومت کی تشکیل کے لیے قوم کو زیادہ وسیع بنیادیں تلاش کرنا پڑیں گی اور مختلف طبقات کے احساسات اور مفادات کو اچھی طرح نگاہ میں رکھ کر کوئی اقدام کرنا پڑے گا۔ اس تبدیلی سے ملک کی سیاسی اور تنظیمی ہیئت زیادہ جمہوری ہوگی اور اس میں مختلف عناصر کو بہتر نمائندگی ملے گی۔

دوسرے عوام کے اندر بھی وہ اضطراب کافی حد تک کم ہوجائے گا جس کے بعض افسوسناک مظاہر بھارت میں گزشتہ کئی سالوں سے دیکھے جارہے ہیں۔ اس انتخاب میں برسرِاقتدار طبقے کی بعض معروف شخصیتوں کی شکست عوام کے اندر اعتماد پیدا کرے گی اور ان کے اندر یہ احساس اُبھرنا شروع ہوگا کہ وہ جب آئینی راستوں سے زمامِ کار سنبھالنے والے ہاتھوں کو بآسانی بدل سکتے ہیں تو انہیں اس مقصد کے لیے غیرآئینی راستے اختیار کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ اس ملک میں شورشیں، زیرِزمین سرگرمیاں اور دہشت پسندانہ کارروائیاں آہستہ آہستہ ماند پڑنا شروع ہونگی اور ان کی جگہ رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے اُس ملک کے بہی خواہ تعمیری کاموں کی طرف متوجہ ہونگے۔ غیرآئینی سرگرمیاں مایوسی کے بطن سے جنم لیتی ہیں۔ جب عوام حکومت کے جبر واستبداد اور اس کی مضبوط گرفت کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ جائز طریقوں سے اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی اور جو لوگ مسندِ اقتدار پر متمکن ہیں انہیں رائے عامہ کا دباؤ ہٹانے سے عاجز ہے تو وہ پھر غیرآئینی راستوں پر چل کر تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اسی جنونی کیفیت سے تخریب پسند عناصر خوب فائدہ اٹھاتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے پورے ملک کو غیرآئینی سرگرمیوں کا شعلۂ جوالہ بنا دیتے ہیں۔ لیکن جب اقتدار کی تبدیلی کے جائز راستے کھلے ہوں تو ملک کی سیاسی فضا میں کوئی تلاطم پیدا نہیں ہونے پاتا اور پُرسکون فضا میں عوام اپنے بہی خواہوں اور بدخواہوں کو اچھی طرح پہچان کر کوئی قدم اٹھاتے ہیں۔

تیسرے اس انتخاب میں بہت سی ایسی سیاسی اجارہ داریاں ختم ہوگئی ہیں جو اکاس بیل کی طرح عوامی شعور پر چھائی ہوئی تھیں۔ ان کے خاتمے سے اسے ترقی کرنے اور پروان چڑھنے کا موقع نصیب ہوگا۔ جمہوریت کا استحکام سیاست میں تدریج نئے خون کی گردش اور متحارب سیاسی عناصر میں بہتر توازن پر منحصر ہوتا ہے۔ بھارت کے اس انتخاب میں یہ بنیادی اور جمہوریت افروز عمل آزادی کے بعد پہلی بار بڑے وسیع پیمانے پر بروئے کار آیا ہے۔ اس نے بڑی بڑی اور قدیم آکاس بیلوں کو اکھاڑ کر رکھ دیا ہے اور اس طرح عوامی شعور زہریلے اثرات سے آزاد ہوا ہے۔ پھر عوام کو بھی یہ معلوم ہوگیا ہے کہ یہ آکاس بیلیں ملک کے حفظ وبقا کے لیے کوئی ایسی ناگزیر نہ تھیں جن کے بغیر بھارت کی زندگی اور ترقی کا تصور نہ کیا جاسکتا ہو۔

یہ بیلیں ملک کی پوری قوت نچوڑ کر خود اپنی طاقت میں اضافہ کر رہی تھیں اس لیے ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ہی بہتر ہے۔ ملکی مفاد اشخاص اور دھڑوں کے مفاد سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور اس کے بارے رائے عامہ جو فیصلہ کرے اُسے قبول کر لینا چاہیے۔

چوتھے اس انتخاب سے بھارت کی ساکھ میں جو غیر معمولی اضافہ ہوا وہ تو ظاہر ہی ہے لیکن خارجی تعلقات میں اسے جو فائدہ پہنچا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ پوری دنیا پر یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے کہ لیڈر اور وزیر خواہ کتنے ہی ہمہ مقتدر رہوں مگر بھارت میں طاقت اور اقتدار کا اصل منبع اور سرچشمہ عوام ہیں۔ اس لیے انہیں نظر انداز کر کے اس ملک سے کوئی معاملہ کرنا سخت حماقت ہے۔ فکر و نظر کی یہ تبدیلی بڑے وسیع اور دور رس نتائج کی حامل ہے۔ مشرق کے جن ممالک میں اقتدار عوام کے ہاتھ میں نہیں بلکہ کسی خاص فرد یا طبقے کے ہاتھ میں ہے، وہ غیر ملکی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا شکار رہتے ہیں۔ غیر ملکی طاقتیں اپنے استعماری عزائم کی تکمیل کے لیے جن افراد اور طبقات کو مفید سمجھتی ہیں اُن سے ساز باز کرتی ہیں اور انہیں مُہروں کی طرح اِن ممالک کی سیاسی بساط پر چلاتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بدنصیب ممالک مختلف سازشوں کے اکھاڑے بن جاتے ہیں۔ ایک ملک ایک طبقے کو اُبھارتا ہے اور دوسرا دوسرے طبقے کی پشت پناہی کرتا ہے اس طرح یہ طبقے آپس ہی میں اُلجھتے رہتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس جب کسی ملک کے بارے میں یہ یقین ہو جائے کہ یہاں اصل اور فیصلہ کُن طاقت رائے عام ہے اور اس کے مقابلے میں افراد اور طبقات کوئی حیثیت نہیں رکھتے تو پھر غیر ملکی طاقتیں عوام کو اعتماد میں لینے کی کوشش کرتی ہیں اور سازشوں کی بجائے مثبت اندازِ فکر اختیار کر کے اُس ملک کی اِس انداز سے معاونت کرتی ہیں جس سے وہاں کے عوام مطمئن ہوں۔ اِس انتخاب میں بھارت کو اس نقطۂ نظر سے بہت فائدہ حاصل ہوا ہے کہ غیر ملکی طاقتیں اب برسرِ اقتدار طبقے کو خوش کرنے کی بجائے عوام کو خوش کرنے کی کوشش کریں گی اور بین الاقوامی سیاست میں اس بات کا پورا اہتمام کریں گی کہ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے بھارت کے عوام اُن سے بددل ہوں۔ کیونکہ اگر یہ ایک مرتبہ بدگمان ہو گئے تو پھر انہیں راضی کرنے کے لیے انہیں بہت زیادہ قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

ہمہ مقتدر کانگرس کو اپنے صدر، جنرل سکرٹری، درجنوں وزیروں اور سینکڑوں امیدواروں کی شکست سے جو صدمہ پہنچا ہے وہ پوری طرح ظاہر اور عیاں ہے لیکن اگر ٹھنڈے دل سے سارے پہلوؤں پر غور کیا جاتے تو معلوم ہوگا کہ نفع کا پلڑا نقصان کے پلڑے سے کہیں زیادہ بھاری ہے۔ کانگرس اگر چاہتی تو وہ دھونس اور دھاندلی کی راہ اختیار کرکے سو فیصد کامیابی حاصل کرکے ریڈیو اور اخبارات میں یہ اعلان کروا سکتی تھی کہ وہ ملک کی واحد نمائندہ جماعت ہے لیکن اُس نے یہ غیر جمہوری طرزِ عمل اختیار کرکے خود فریبی کا شکار ہونے کے بجائے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے اور رائے عامہ کی عدالت کو موقع دیا ہے کہ وہ بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اُس کی گزشتہ کارگزاریوں پر اپنا فیصلہ صادر کرے۔ یہ فیصلہ یقیناً اس کے لیے کچھ خوش آئند نہیں لیکن اُس نے اسے ملک کے وسیع تر مفادات کے لیے بسر و چشم قبول کیا ہے اس سے نہ صرف رائے عامہ کی اس عظیم عدالت کا وقار بڑھا ہے بلکہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی وجہ سے خود برسر اقتدار پارٹی کی عزت اور ساکھ میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اور عوام یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہ پارٹی نشۂ اقتدار سے بدمست افراد کا کوئی غیر منظم گروہ نہیں جو حکمرانی کے چٹورپن کے لیے کسی چیز کو خاطر میں لانے کے لیے تیار نہ ہو بلکہ یہ باشعور اور ذمہ دار افراد کا ایک ایسا طبقہ ہے جسے اپنے احساسات اور خواہشات پر قابو ہے اور وہ عوامی فیصلے کے سامنے جھک جانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔

حکمت اور دانائی کی ہر بات مسلمان کی میراث ہے اور وہ جہاں سے بھی اُسے ملے، مومن کی ایک متاعِ گم گشتہ سمجھ کر جذب و شوق سے قبول کرلینا چاہیے۔ اس مرحلہ پر دنیا کے سارے مسلمانوں خصوصاً اہلِ پاکستان کو سوچنا چاہیے کہ ہمارے ہاں استحکامِ ملک کے نام پر آزادئ رائے کا کیا حشر کیا جارہا ہے۔ پاکستان کے مسلمان سیاسی بصیرت اور شعور کے اعتبار سے بھارت سے ہر لحاظ سے بہتر ہیں۔ یہاں ذات پات کے جھگڑے نہیں، یہاں لسانی اور نسلی تعصبات کی وہ تشویشناک صورت نہیں جو ہندوستان میں موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود انہیں بالغ رائے دہندگی کے جائز حق سے اس بنا پر محروم رکھا جارہا ہے کہ حکمران طبقے کے بقول ان میں وہ ذہنی پختگی نہیں پیدا ہوسکی جس کی وجہ سے یہ اچھے اور بُرے کے درمیان

تمیز کر سکیں۔ بھارت اور پاکستان ایک ہی وقت میں قریب قریب ایک ہی جیسی مشکلات کے ساتھ آزاد ہوئے ہیں۔ لیکن اہلِ بھارت میں سیاسی شعور نشوونما پاتا جا رہا ہے جبکہ ہمارے ہاں وہ مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر اس ملک کے اہلِ بصیرت کو غور کرنا چاہیے۔ پھر ان حضرات کے لیے یہ سوچنا بھی ضروری ہے کہ بھارت کی سب سے زیادہ مضبوط اور با اختیار جماعت کے صدر اور سکرٹری کی شکست، اور بہت سے مرکزی اور صوبائی وزراء کی نہایت ذلت آمیز ناکامی اس ملک کے استحکام کو اگر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تو آخر ہمیں یہ خطرہ کیوں لاحق ہے کہ اگر یہاں زمامِ اقتدار سنبھالنے والے ہاتھوں میں تھوڑی بہت تبدیلی بھی آگئی تو یہ ملک زندہ نہ رہ سکے گا۔ ملکوں کا استحکام اصحابِ اقتدار سے وابستہ نہیں ہوتا۔ بلکہ قوموں کے عزم و ہمت، ان کے شعور اور خود اعتمادی سے وابستہ ہوتا ہے۔ جس قوم کے افراد میں یہ صلاحیتیں موجود ہوں اقتدار کی تبدیلیاں اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔ بلکہ وہ قوم جب چاہتی ہے اپنے منشا اور مرضی کے مطابق قومی مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے ملک کا انتظام کرنے والے ہاتھوں کو بدلتی رہتی ہے۔ اس تغیر و تبدل سے زیادہ سے زیادہ افراد کو ملکی نظم و نسق کی تربیت حاصل ہوتی ہے اور ملک کے اندر کبھی سیاسی خلا پیدا نہیں ہونے پاتا۔

اعتذار

ناگزیر مجبوریوں کے سبب سے ترجمان القرآن کی ضخامت میں آٹھ صفحات کی کمی کی جا رہی ہے۔ قیمت فی پرچہ بھی بجائے ۷۵ پیسے کے ۶۲ پیسے کر دی گئی ہے۔

ادارہ